

بانو :- اگر میں دستک دوں تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ میں گھر کے اندر نہیں تھی
باہر تھی۔

گل شیر :- اب کیا کرو گی ؟

بانو :- (سنہلے ہوئے) اب تم کیا کرو گے گل شیر۔

گل شیر :- میں ؟

بانو :- اگر میں دستک دیتی ہوں تو اندر سے موت باہر آئے گی... اب میں تمہاری
ذمہ داری ہوں گل شیر۔

(گل شیر کچھ جھجکتا ہے اور پھر حسن بانو کا ہاتھ پکڑ کر گاؤں سے باہر نکل جاتا ہے)

————— فلپش بیک ختم —————

میں نے ایک مرد کی طرح حسن بانو کو اپنی ذمہ داری سمجھا اور شہر جا کر اس کے ساتھ نکاح
کر لیا۔ ہم گاؤں تو واپس نہیں جاسکتے تھے۔ اس لیے میں نے وہیں ایک کوٹھڑی کرائے
پر لی اور چھوٹی موٹی مزدوری کرنے لگا۔ اس طرح چار ماہ گزر گئے۔ ایک روز میں
مزدوری کر کے گھر واپس آیا...

————— فلپش بیک شروع —————

(گل شیر کوٹھڑی کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ حسن بانو کھولتی ہے۔ وہ بے حد
خوش ہے۔)

حسن بانو :- گل شیر تمہارا بابا آیا ہے۔

گل بانو :- بابا ؟ (کوئے میں بیٹھا جہان شیر اٹھتا ہے۔ دونوں گلے ملتے ہیں۔)

جہان شیر :- (اپنی اولاد سے شدید محبت کرنے والا بوڑھا ہے) میں بہت مارا مارا

پھلتا تھا میں تلاش کرنے کے لیے گل شیر...

گل شیر :- مجبوری تھی بابا... لیکن میں بہت ادا اس تھا تمہارے لیے۔

جہان شیر :- اور میں بھی ... میں بھی (اب مختلف انداز میں بولتا ہے جیسے کچھ چپا رہا ہے)
میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں۔

حسن بانو :- نہیں بابا۔

گل شیر :- گاؤں والے ہمیں مار ڈالیں گے بابا۔

جہان شیر :- کوئی ماں ایسی نہیں ہے جس کا بیٹا میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھائے ...

گل شیر :- ہمارے بعد جرگہ بیٹھا تھا؟

جہان شیر :- جرگے کا فیصلہ تھا کہ گل شیر اور حسن بانو نے اگر شادی کر لی ہے تو وہ گاؤں
واپس آسکتے ہیں۔

گل شیر :- سچ بابا؟ ... حسن بانو میں نے صرف تمہارے لیے گاؤں چھوڑا تھا اور نہ
میں اپنے گھر کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ... چلو اٹھاؤ سامان۔

_____ فلیش بیک ختم _____

ہم دونوں خوش خوش بابا کے ساتھ چلے گئے۔ گاؤں پہنچتے ہی حسن بانو کے بھائی
اور باپ آگئے۔ ان کے آتے ہی پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت میرے باپ اور
بھائیوں نے مجھے زمین پر گرالیا اور پھر میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں
بند کر دیا۔ اُدھر حسن بانو کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ میرے باپ نے مجھ سے دھوکہ
کیا تھا۔ جرگے کا فیصلہ تھا کہ میرا باپ لڑکی کو واپس لائے۔ اور پھر ہم دونوں کو
وہی سزا دی جائے جو حسن بانو کے بھائی اور باپ تجویز کریں۔

(مندرجہ بالا مکالمے کے دوران فلیش بیک استعمال کیا جائے جس میں شیر گل اور
حسن بانو کو بڑی بے دردی سے باندھ کر اندھیری کوٹھڑیوں میں بند کیا جا رہا ہے۔
اس میں ایک شاٹ شامل کیا جائے۔ دو پانی توڑے دار بند و قیں ایک کونے
میں رکھی ہیں۔ ان کی طرف دو ہاتھ بڑھتے ہیں، اٹھاتے ہیں اور پل آؤٹ کرنے پر

وہ حُسن بانو کے دونوں جوان بھائی ہیں، جن کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے،
اگلے روز حُسن بانو کا باپ ہمارے گھر آیا۔

_____ فلیش بیک _____

(حُسن بانو کا باپ اور جہان شیر آٹھ ماہ کے بچے ہیں،
حُسن بانو کا باپ :- گل شیر میرے ہاتھ دیکھ رہے ہو؟ میں ان کو دھو کر آیا ہوں۔
(مختصر خاموشی) میں نے اپنے صحن کی مٹی کو برابر کر دیا ہے۔ اس کے نیچے حُسن بانو
کا مُردہ جسم ہے۔

جہان شیر :- تم نے ظلم کیا... تم کہتے تھے کہ انصاف کریں گے۔
حُسن بانو کا باپ :- جرگے کا فیصلہ تھا کہ جو میں کہوں گا وہ تمہیں کرنا ہوگا....
میری بیٹی اس وقت زمین کے اندر ہے۔ کل صبح تک تمہارے بیٹے کو بھی اس
کے پاس ہونا چاہیے۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔

(ڈزالو)

(رات کا وقت۔ گل شیر بندھا پڑا ہے۔ جہان شیر آتا ہے۔ بیٹے میں سے خنجر نکالتا
ہے۔ مگر اُسے مار نہیں سکتا۔ گل شیر اوندھا پڑا ہے۔ (ڈزالو) دوبارہ آتا ہے خنجر
نکالتا ہے اور مکمل ارادے سے گل شیر کو سیدھا کرتا ہے۔ خنجر اٹھاتا ہے۔ گل شیر رحم
طلب نظروں سے دیکھتا ہے۔ پھر جہان شیر کے چہرے پر کوئی ماں ایسی نہیں ہے جس
کا بیٹا میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھائے؟ اور لپٹ ہوتا ہے۔ خنجر نیچے آتا ہے اور پھر
وہ جلدی سے اس کے پاؤں اور ہاتھ کھولتا ہے اور غصے سے تقریباً دھکیلتا ہوا
اسے گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔)

_____ فلیش بیک ختم _____

میں گاؤں سے بھاگا اور محراب میں گم ہو گیا۔ مجھے آنا دکر دینے کے مجرم میں حُسن بانو کے

بھائیوں نے میرے سب سے بڑے بھائی کو قتل کر ڈالا... اور میں صحرایں گم رہا پچاس برس کیونکہ میں گھر واپس نہیں جاسکتا تھا... وہاں موت میری منتظر تھی... میں اپنی زندگی کی خاطر ویرانوں اور بیا بانوں میں گھومتا رہا، سوائے کسی اشد ضرورت کے کسی ذی رُوح سے بات تک نہ کی۔ البتہ جب رات ہوتی تو صحرا کی تنہائیوں میں ریت پر لیٹے ہوئے حُسن بانو کا چہرہ میرے سامنے آ جاتا، میں اس سے باتیں کرتا رہتا۔ پھر حُسن بانو کا چہرہ تو جوان ہی رہا، مگر میں بڑھ چکا ہو گیا، میرے چہرے کی جھریوں میں ریت بھرنے لگی، مجھے گھریا دآنے لگا، اس کی دیواروں اور دروازوں کی چاہت کے لیے چھوٹے بچے کی طرح بلکنے لگا، زمین کی کشش نے مجھے بے بس کر دیا اور.... کل پچاس برس بعد میں اپنے گھر جاؤں گا، وہاں کوئی تو زندہ ہو گا، کوئی بہن، بھائی.... کوئی بھی نہ ہوا تو گھر تو ہو گا۔

(کیٹی دم بخود بیٹھی ہے، اپنے سر کو جھٹکتی ہے جیسے یقین نہ آ رہا ہو)

کیٹی :- لیکن بابا اگر حُسن بانو کا کوئی رشتہ دار زندہ ہوا تو؟

گل شیر :- وہ میرے انتظار میں ہو گا۔

کیٹی :- پھر آپ کیوں واپس جاتے ہیں؟

گل شیر :- کیوں! میں اپنے گھر کے لیے اداس ہوں، اپنے گاؤں کی مٹی کی خوشبو

سونگھنا چاہتا ہوں... چاہے وہ قبر کی مٹی ہی کیوں نہ ہو۔

کیٹی :- آپ کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے بابا؟

گل شیر :- (ایک طرف دیکھتے ہوئے) وہ... ادھر... اس ٹیلے کے پیچھے۔

کیٹی :- آپ ابھی جائیں گے؟

گل شیر :- (سر ہلا کر) میں دن کی روشنی میں اپنا گھر دیکھوں گا... کل صبح....

انشاء اللہ

کیٹی :- (دھجکتے ہوئے) کیا میں آپ کے ساتھ ... میرا مطلب ہے تھوڑی دیر تک
آپ کے ساتھ جاسکتی ہوں۔

گل شیر :- (مسکرا کر) اگر حسن بانو کی کوئی بیٹی ہوتی تو آج اس کی بیٹی تمہارے
جتنی ہوتی۔ آجانا ... لیکن صرف اس ٹیلے تک ... گاؤں کے اندر کا کیا
پتہ، وہاں گھر کے دروازے کھلے ہوں یا موت کی باہیں ...

CU 2

داگلی سج - گل شیر اور کیٹی چل رہے ہیں۔ ٹیلہ آتا ہے۔ گل شیر کیٹی کے ماتھے پر بوسہ
دیتا ہے۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ کیٹی آبدیدہ ہے، اس کا بازو دیکڑ کر روکنے
کی کوشش بھی کرتی ہے۔ کیمیرہ کیٹی کی پشت سے شاٹ لیتا ہے۔ کیٹی کا کندھا ...
گل شیر ٹیلے سے اتر رہا ہے۔ پھر ایک پرانی کوٹھڑی کا دروازہ کھلتا ہے جس میں وہی
ٹوڑے دار بند قفس رکھی ہیں۔ ان کی طرف دو رعشہ زدہ ہاتھ بڑھتے ہیں۔ بند قفس
اٹھاتے ہیں۔ پیل آؤٹ کرتے ہیں تو وہ حسن بانو کے بوڑھے اور کمزور بھائی ہیں اور
ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے۔ کٹ کر کے واپس آتے ہیں۔ تو گل شیر گاؤں
کے اندر داخل ہوتا ہے۔ لانگ شاٹ میں۔ اب دوسرا شاٹ گاؤں کی طرف سے
ٹیلے پر کھڑی کیٹی کا ہے۔ کیمیرہ زردم ان ہو رہا ہے، اور اس کے ساتھ سپینس کی
موسیقی ہے۔ جب کیٹی کا BCU آتا ہے تو اس کا چہرہ کانپ رہا ہے۔ ایک فائر کی
آواز۔ کیٹی کانپتی ہے۔ دوسرے فائر کی آواز۔ کیٹی بے تحاشہ روئے لگتی ہے۔ روتی
رہتی ہے۔ گاؤں کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ جو سنسان ہے، کیٹی کے رونے کے
دوران کوئی موسیقی نہیں، صرف خاموشی ہے۔ پھر کیٹی کی سسکیوں کے درمیان
جیپوں کے انجنوں کی آواز دھیرے دھیرے ابھرتی ہے آواز بلند ہوتی ہے پھر بالآخر
بند ہو جاتی ہے۔ اسی لمحے ٹیلے کی دوسری جانب تین جیپیں رکتی ہیں۔ تیمور

اُتر کر ٹیلے پر کھڑی کیٹی کو دیکھتا ہے۔ جو گاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے رو رہی ہے۔
اور پھر آہستہ آہستہ تیمور کیٹی کی جانب بڑھنے لگتا ہے۔

— CUT —

اختتام

○ عہد بدنام کیا

درمیانے درجے کا ایک گھر۔ ضرورت کی ہر شے موجود مگر پرانی طرز کی۔ اشیاء
قرینے سے سجی ہیں۔ تمام عمر سنیر کلر کی پس گزارنے کے بعد بطور سپرنٹنڈنٹ ریٹائر
ہونے والے ایک شخص کا گھر۔ واجبی ساڈرائینگ روم۔ ایک مشترکہ بیڈ روم، باورچی
خانہ۔ مختصر سا باغیچہ۔

سین نمبر ۱

رات کا پچھلا پہر۔ مشترکہ بیڈ روم۔ ایک طرف ماں اور باپ گہری نیند سوئے
ہوئے ہیں۔ بند کھڑکی کے قریب صابر کا بستر ہے۔ کھڑکی کے شیشوں میں سے گلی کے
پارے کا ایک کھمبا نظر آ رہا ہے۔ کھمبے پر بجلی کا بلب روشن ہے۔ صابر بے چینی سے کروڑیں
بدل رہا ہے۔ اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔ بار بار سر ہانے تلے رکھی گھڑی نکال کر وقت
دیکھتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد گلی میں سے ایک آدھ رکشا یا ٹرک گزرنے کی آواز آتی ہے۔
پھر چڑیوں کے چیہانے کا ہلکا ہلکا شور۔ صابر کمر وٹ بدل کر کھمبے پر چلتے بلب پر نظریں
جما دیتا ہے، جیسے وہ جانتا ہے کہ یہ اب گل ہونے کو ہے۔ ایک مختصر وقفے کے بعد
بلب گل ہو جاتا ہے۔ کمرے میں تاریکی بڑھ جاتی ہے۔ مگر صبح کے آثار نمایاں ہیں، صابر
دبے پاؤں چوروں کی طرح اٹھتا ہے۔ کمبل لپیٹ کر باہر جانے لگتا ہے۔ زمین پر پڑا

گلاس اُس کی ٹھوکر سے گرتا ہے۔ باپ اپنی چھتری کو ٹٹولتا ہوا آنکھیں کھولتا ہے۔

باپ :- کون ہے ؟

صابر خاموش کھڑا رہتا ہے۔

باپ :- (قدرے بلند آواز سے) کون ہے ؟

صابر رُبت بنا کھڑا ہے۔

باپ :- میں کہتا ہوں.....

ماں اُونگھٹتے ہوئے سراٹھاتی ہے۔

ماں :- (بات کاٹ کر) آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کون ہے۔ ہمارے گھر میں
منہ اندھیرے اور کون اُٹھتا ہے۔

باپ :- (بستر پر لیٹتے ہوئے) اچھا اچھا۔ صابر بیٹا ہے۔ مجھے روز ہی یاد نہیں
رہتا۔ (کبل منہ پر ڈالتے ہوئے) بھی کم از کم جواب تو دے دیا کرو۔

صابر فقرہ مکمل ہونے سے پیشتر ہی باہر نکل جاتا ہے۔ اس دروازے میں سے جو
صحن میں کھلتا ہے۔ صحن چھوٹا سا برآمدہ ہے جس میں ایک آرام گری رکھی ہے۔
گری کا ایک بازو ڈٹوٹا ہوا ہے۔ مختصر صحن کو باغیچے کی شکل دینے کے لیے چند گلی
کونوں میں دھرے ہیں۔ صحن کے درمیان میں کپڑے سکھانے کے لیے ایک رستی تنی
ہوئی ہے۔ مشرقی دیوار قدرے شکستہ ہے۔ صابر گری کا زوپیہ درست کرتا ہے۔
اور بیٹھ کر مشرقی دیوار کے عین اوپر نیم سیاہ آسمان کے ٹکڑے پر نظریں جما دیتا
ہے۔ آہستہ آہستہ باہر لگی میں گزرنے والی ٹریفک بڑھتی جاتی ہے۔ چڑیوں کا شور
بلند ہوتا ہے۔ اور آسمان کا ٹکڑا روشن ہونے لگتا ہے۔ پھر سورج دیوار کی اوٹ
میں سے ظاہر ہوتا ہے۔ صابر کا چہرہ ایک دم مسرت سے دکنے لگتا ہے۔ چندھیانی
ہوئی آنکھوں سے سورج کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اس کے چہرے سورج سے

محبت میں مبتلا ہونے کے سے جذبات ہیں۔ وہ بالکل مبہوت ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر جیسے TRANCE میں ہو۔ اس دوران میں موسیقی بتدریج بلند ہو رہی ہے۔ بالآخر ایک ہاتھ سورج کی طرف بڑھاتا ہے۔ بند مٹھی کھولتا ہے۔ ایسے زاویے پر جس میں سورج اس کی ہتھیلی کے درمیان میں دکھائی دیتا ہے۔ مٹھی بند کر لیتا ہے۔ جیسے اُس نے سورج کو مقید کر لیا ہو۔ اپنے اندر جذب کر لیا ہو۔ چہرہ پسینے سے تر ہو جاتا ہے۔ فلیش بیک میں ایک پچھ سالہ بچے کا بڑا کلوز اپ۔ بچہ ہستتا ہوا کلوز اپ ڈم۔ تسلیاں پکڑنے کا جال تنہا ہوا۔ کلوز اپ۔ بچے کا کلوز مگر چہرے کے آگے جال تنہا ہوا۔ بچہ ہستتا ہوا۔

بلینک سپیس۔ اس سپیس میں تسلیاں پکڑنے کا جال نمودار ہوتا ہے اور سٹل ہو جاتا ہے۔ جال کے ہینڈل پر بچے کا ہاتھ۔ بچے کی بند مٹھی میں جگنو چمک رہا ہے۔ تاریکی میں مٹھی انگلیوں کی درمیانی جگہ سے روشنی آ رہی ہے۔

فلیش بیک ختم۔

بچے کی بند مٹھی پر آہستہ آہستہ صابر کی بند مٹھی سپر امپوزر ہوتی ہے۔ کیمروں پر جاتا ہے جو خاصی دیر سے کواڑ سے لگی صابر کو دیکھ رہی ہے۔ ماں اور صابر کی بند مٹھی کے کلوز۔ ماں صحن کے اندر داخل ہوتی ہے۔ صابر کے آگے اس طرح کٹری ہوتی ہے کہ سورج اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ صابر ایک مختصر وقفے کے بعد چونکتا ہے۔ مٹھی نیچے کر لیتا ہے۔

ماں :- سورج کی جانب یوں متواتر دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں بیٹے۔ صابر :- ہاں! پہلے روشن کرنیں آنکھوں میں اترتی ہیں۔ اس کے بعد نظروں کے سامنے تڑمے ناچنے لگتے ہیں۔ اور پھر تاریکی اور روشنی آپس میں یوں

مدغم ہوتی ہیں جھملائی ہیں کہ ہاں شاید آپ درست ہی کہتی ہیں۔
بالآخر آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

ماں :- چلو اٹھو۔ کپڑے بدل کر ناشتہ کرلو۔
صابر :- کروں گا۔ آپ چلیے۔

ماں :- چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔

صابر :- اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ مجھے کون سا کام پر جانا ہے۔

ماں :- (سر جھکا کر) انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

صابر :- کچھ دیر سوچتا ہے اور اٹھ کھڑا ہوتا ہے، ہاں مجھے آج پھر انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

سین نمبر ۲

بادرچی خانہ۔ ماں روٹیاں پکا رہی ہے۔ ایک چوہے پر چائے کی کیتلی دھری
ہے۔ جگہ کی تنگی یوں عیاں ہے کہ دیوار میں لکڑی کا ایک چوکور ٹکڑا لگا کر اس سے میز
کا کام لیا گیا ہے۔ باپ صبح کا اخبار پڑھ رہا ہے۔ عینک اتار کر منیر پر رکھتا ہے اور
بیوی سے مخاطب ہوتا ہے۔

باپ :- یہ ناشتہ بن رہا ہے یا بیاہ شادیوں والا ماحقر تیار ہو رہا ہے؟ بوڑھے
ہو گئے ہم تو انتظار کرتے کرتے۔

ماں :- یوں کہیے مزید بوڑھے ہو گئے۔

باپ :- ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے کارآمد شے "جھوٹ" نامی بھی ہوتی
ہے، کبھی کبھار اس کا استعمال بھی کر لیا کرو بیگم۔

ماں :- اسی لیے تو میں نے بوڑھے کھوسٹ نہیں کہا۔

باپ :- (خوشدلی سے منہ بنا کر) ایک خوشگوار صبح کا ستیاناس کرنا کوئی تم سے

سیکھے۔

ماں :- آپ چپکے سے اپنا اخبار پڑھیے ریڈیو سیرمنڈنٹ غلام مصطفیٰ صاحب۔
 باپ :- دو مرتبہ پورا اخبار پڑھ چکا ہوں بلکہ تلاش گمشدہ کے اشتہاروں پر
 بھی نظر ڈال چکا ہوں اور کچھ؟

ماں :- ضرورت رشتہ کے اشتہاروں کو بھی ملاحظہ کر لیجیے۔
 باپ :- (ہنستے ہوئے) کاش تم نے یہ مشورہ آج سے پچیس برس پیشتر دیا ہوتا۔
 بھئی یہ ناشتہ کب تیار ہوگا... تم سے تو نرگس بیٹی کی غلامی ہی اچھی تھی۔
 یوں پل بھر میں میرے لیے ناشتہ تیار کرتی تھی کہ....

ماں :- تو بٹھائے رکھتے اسے گسریں ساری عمر صرف اپنے ناشتے کی خاطر۔
 باپ :- اللہ میاں اگر یوں چھپر بھاڑ کر اس کے لیے اتنا اچھا رشتہ نہ بھیج دیتا
 تو کون کافر اس کی شادی کرتا۔

ماں :- (پچھے سے چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اور کسی روز اوپر والے
 حقے کی چھت میری بہن بھاڑ کر پوچھے گی کہ جناب میں اپنی بیٹی کتنے
 برس اور بٹھائے رکھوں، سنبھالیے اپنی امانت کو۔

باپ :- اس تاخیر کے لیے بھی تم مجھے قصور وار ٹھہراتی ہو؟ اپنے شہزادے سے
 کیوں نہیں کہتیں کہ فی الحال جس قسم کی ملازمت ملتی ہے قبول کر لے اور
 ماں :- اس کے شایانِ شان کوئی ملازمت ملے تو کرے، تم تو چاہتے ہو چیراسی
 بھرتی ہو جائے کلر کی کر لے۔ مگر تو کمری فوری طور پر کر لے۔

باپ :- فوری طور پر؟ غضب خدا کا۔ دو سال ہوئے اسے ایم اے کیے ہوئے۔
 اور پھر کلر کی کرنے میں کیا حرج ہے۔ آخر میں بھی تو کلرک....

ماں :- وہ آپ کی طرح دو چار جماعتیں نہیں پڑھا ہوا خیر مجھے اس کے لیے

ناشتہ تیار کرنے دیجیے۔ اس نے انٹرویو کے لیے جانا ہے۔

باپ :- آج پھر جا رہا ہے۔ ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ انٹرویو دینا تو صاحبزادے کا مشغلہ ہے اور ان میں فیل ہونا بھی۔ مقابلے کے تین امتحانوں میں بیٹھا۔ تحریری ٹیسٹ میں ہمیشہ اول حیثیت مگر انٹرویو میں ایسے اے لٹے سیدھے جواب دیتا ہے کہ ہمیشہ فیل ہو جاتا ہے۔ آج بھی حسب معمول منہ ٹمکائے گھر آجائے گا۔

عائشہ داخل ہوتی ہے۔ قبول صورت، لباس پر سلوٹیں جیسے ابھی ابھی بستر سے اٹھ کر آئی ہے۔ صابر کی منگیت ہاتھ میں چائے کی ایک پیالی ہے۔ سیدھی ماں کے پاس جاتی ہے۔

عائشہ :- آداب خالہ جان۔

ماں :- (سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) آؤ بیٹی۔ شریا بہن کا کیا حال ہے؟
عائشہ :- بس چھینکیں نہیں آرہیں۔ بخار بھی ہے اور زکام بھی اسی شدت کا ہے ابھی ابھی جو شاندرہ پلا کر آئی ہوں۔ خالہ جان... (دبھکتے ہوئے) چینی کی ایک پیالی چاہیے۔

ماں :- (مسنوعی غصے سے) مجھ سے کیوں پوچھتی ہو، تمہارا اپنا گھر ہے۔
عائشہ :- (سوچ میں گم) اپنا گھر۔

ماں :- (سمجھتے ہوئے) ہاں بیٹی اب تو چند دنوں کی بات ہے۔ جس روز صابر کو ملازمت ملی۔ اسی روز شریا بہن سے شادی کی تاریخ طے کر لوں گی۔

اس دوران عائشہ شیلف میں رکھے ٹینوں میں سے ایک کا ڈھکنا اٹھاتی ہے۔

عائشہ :- ہائے خالہ۔ اس میں تو نہیں ہے۔ وال ہے۔

ماں :- برابر والے چھوٹے ٹین میں ہے۔ اب اتنی چینی کہاں ملتی ہے کہ بڑا ٹین

بھر سکے۔

عائشہ :- خالہ جان، چار پیالیاں ہو گئیں۔

ماں :- پھر وہی بات۔ اور اتنی جلدی بھی کیا ہے، چائے کے دو گھونٹ تو بھرتی جاؤ
بلکہ خود بنا لو (چوہے سے پیچھے ہٹ کر) اب تمہیں اس چوہے کے آگے کھڑے
ہونے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

عائشہ سر جھکا کر مسکراتی ہے، چینی کی پیالی تپانی پر رکھ کر چائے بنانے لگتی ہے۔ اسی
لحے صابر اندر داخل ہوتا ہے۔ سوٹ میں ملبوس عائشہ کو چائے بناتے دیکھ کر ٹھٹھک
جاتا ہے۔ پھر کونے میں کھڑی ماں پر نظر پڑتی ہے جو مسکرا رہی ہے۔
صابر :- امی جلدی سے ناشتہ دے دو۔

ماں :- عائشہ سے کہو آج اس کی ڈیوٹی ہے۔

صابر :- (ناگوارہ سے) مجھے صرف ناشتہ چاہیئے، ڈیوٹی کسی کی بھی ہو۔

عائشہ بچھے دل سے ناشتہ آگے رکھتی ہے، ایک پیالی چائے باپ کے آگے بھی رکھتی
ہے اور پھر چوہے کے قریب جا کر کھڑی ہو جاتی ہے، پشت صابر کی طرف ہے۔
صابر :- (چائے کا گھونٹ بھر کر) چینی کم ہے۔

عائشہ چمچے میں چینی لے کر آگے آتی ہے، پیالی میں ڈال کر چمچ ہلاتی ہے، اس دوران
صابر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

باپ :- (صابر کی طرف دیکھ کر) ٹائی مناسب نہیں ہے۔

صابر :- (چونک کر) جی۔

عائشہ واپس چوہے کے قریب چلی جاتی ہے۔

باپ :- میں کہہ رہا تھا کوئی بہتر قسم کی ٹائی لگا لیتے، سوٹ نہیں کرتی۔

صابر :- (ٹائی پکڑ کر ہنستے ہوئے) انٹرویو ٹائی کا ہونا ہے یا میرا۔

باپ :- ان دنوں تو انٹرویو ٹائیموں - سٹوڈنٹوں اور جوتوں کا ہی ہوتا ہے ۔

صابر ناشتہ ختم کر کے اٹھتا ہے اور باہر جانے لگتا ہے ۔

باپ :- تم کہتے ہو میں اب بھی خان صاحب کے گھر جا کر ان سے ٹیلی فون کر داسکتا ہوں ۔

صابر ایک لمحے کے لیے دروازے کے پاس رکتا ہے اور پھر جواب دے بغیر نکل جاتا ہے ۔

باپ کندھے سے کیڑا خبر پڑھنے لگ جاتا ہے ۔

سین نمبر ۳

ایک ایسا کمرہ جو چوڑائی میں بے حد مختصر ہے ۔ مگر طوالت میں عام کمروں سے

زیادہ ہے ۔ ایک سرے پر دو کرسیاں جن پر انٹرویو لینے کے لیے دو شخص اکڑے بیٹھے

ہیں کمرے میں اور کوئی فرنیچر نہیں ہے ۔ مخالف سرے پر صرف ایک کرسی ہے ۔ صابر

اندر داخل ہوتا ہے ۔

صابر :- السلام علیکم ۔

دونوں شخص جو اباسر ہلاتے ہیں ۔ خاموش ہیں ۔ صابر ایک لمحے کے لیے انتظار کرتا

ہے ۔ اور پھر خود ہی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے ۔

شخص ۱ :- تشریف رکھیے (واضح منظر سے)

صابر :- (پرسکون) شکریہ ۔

شخص ۱ گھٹنوں پر رکھی فائل دیکھتا ہے ۔ صابر کی درخواست اور تعلیمی ڈگریاں بظاہر

شخص ۲ سے مخاطب ہے ۔ مگر اصل میں صابر کو ستانا چاہتا ہے ۔

شخص ۱ :- (ایک ایک کاغذ الٹ کر) فرسٹ ڈویژن - پھر فرسٹ ڈویژن - ان

دونوں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنا بھی کتنا آسان ہو گیا ہے ۔

شخص ۲ :- ہمارے زمانے میں تو ساہا سال کے بعد کسی خوش قسمت کی ہی فرسٹ

ڈویژن آتی تھی ۔

شخص :- بالکل میرا صاحب اور آج کل بوہتھکنڈے استعمال ہوتے ہیں تو بہر ہر
دوسرا غالب علم فرسٹ ڈویژن ہے پیرتا ہے۔

صابر :- (ناگواری سے) مجھے دوسروں کے بارے میں علم نہیں مگر میں نے ان فرسٹ
ڈویژنوں کیلئے دن رات ایک کیا ہے اور ان میں خوش قسمتی کا کوئی دخل
نہیں تھا۔

دونوں شخص ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں شخص پھر کاغذ اٹھاتا ہے۔

شخص :- تقریری مقابلوں میں چھ اول انعام دیری امپریسیو۔ (صابر کی طرف
دیکھ کر) مگر ہجہ ایسا کہ آج کل ہر کوئی انعام حاصل کر لیتا ہے۔ پھر کاغذ دیکھتا
ہے، ہاکی کا کھلاڑی۔

شخص :- (بات کاٹ کر) اہی ہمارے زمانے میں تو آل انڈیا ہاکی (صابر کی طرف
دیکھتا ہے اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے) اور کچھ سوچ کر خاموش ہو
جاتا ہے،

شخص :- (بدستور قائل میں کاغذ میں مشغول) کالج کے رسالے کا ایڈیٹر بھی۔
بہت خوب۔ تو گویا ادب سے بھی لگاؤ ہے۔

صابر :- جی۔

شخص :- آپ کے پسندیدہ ادیب کون سے ہیں؟

صابر :- وارث شاہ۔

شخص :- وارث ؟! (حیرت سے)

صابر :- میاں محمد۔

شخص :- میاں — میاں کون؟

صابر :- (زور دے کر) محمد۔۔۔ بھنائی اور خوشحال خاں خٹک۔

شخص ۱ :- (بڑے ٹھٹھے سے) میں صرف یورپی ادیبوں کی بات کر رہا تھا، اگر کسی کو
پڑھ رکھا ہے تو بتائیے۔

صابر :- (تملل سے) مجھے جیمز جوائس اور فریڈرک نیولز کا پسند ہیں۔
دو دنوں شخص ایک دوسرے کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے صابر نے ادیبوں کی بجائے
پرندوں کی قسمیں گنوائی شروع کر دی ہیں۔ وہ ان ناموں سے پہلی دفعہ آشنا ہوئے ہیں۔
اس خاموشی میں صابر سگریٹ سلگاتا ہے۔

شخص ۱ :- (درشتی سے) یہاں سگریٹ پینا غلام آباد ہے۔
صابر :- (سبیدگی سے) لیکن آپ بھی تو سگریٹ پی رہے ہیں۔
شخص ۱ :- جھلا کر سگریٹ پاؤں تلے مسل دیتا ہے۔ صابر بھی سگریٹ بچھا دیتا ہے۔
شخص ۲ :- تو ہم کیا گفتگو کر رہے تھے؟

صابر :- ادیبوں کا ذکر ہو رہا تھا۔
شخص ۱ :- آپ نے شیکسپیر تو نہیں پڑھا؟
صابر :- دسویں جماعت میں پڑھا تھا۔
شخص ۱ :- (کھانس کر) آپ نے اس کا وہ ڈرامہ پڑھا ہے۔ کیا نام۔ (مٹ سے
مناطب ہو کر) بھئی وہ کون سا ڈرامہ تھا جس کی فلم پچھلے دنوں ٹی وی پر
دیکھی تھی۔

شخص ۲ :- (دہن پر زور دے کر) ہیلٹ

صابر :- آپ شاید ہیلٹ کی بات کر رہے ہیں۔

شخص ۱ :- دروازے کی طرف دیکھ کر اس طرح اشارہ کرتا ہے جیسے وہ اگلے امیدوار کو اندر
آنے کا کہہ رہا ہو۔

شخص ۲ :- (کھسیانے ہو کر) ہمیشہ گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ ہیلٹ یا ہیلٹ۔ حالانکہ

مجھے معلوم ہے کہ ہیلمٹ تو سکوٹر سوار پہنتے ہیں۔
 شخص سر ہلا کرتا سید کرتا ہے، مسکراتا ہے۔ اس دوران ایک نہایت خوش پوش
 نوجوان صابر کے پیچھے آکھڑا ہوتا ہے۔ کمر تک جھکا، دافرنالشی مسکراہٹ لبوں پر
 سجائے۔

نوجوان:- گڈ مارنگ سر۔ تھینک یو فار دی کال تھینک یو۔
 شخص:- بیٹھے۔

نوجوان اسی طرح ہاتھ ملتا ہے۔ مسکراتا ہے، کرسی کی جانب دیکھتا ہے، جہاں صابر
 ابھی تک بیٹھا ہے۔ دونوں اشخاص کی جانب دیکھتا ہے کہ اب کیا کردوں۔ مگر اتنی دیر
 میں صابر اٹھتا ہے اور کمرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ نوجوان دانت نکالتا ہے۔
 نوجوان:- سر؟

سین نمبر ۴

ایک دیران سڑک۔ کیمپس کے قریب اگر نہر کے کنارے فٹ پاتھ ہو تو بہتر
 ہوگا۔ لیکن دیرانی کا تاثر ایک لازمی حصہ ہے۔ صابر پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے
 ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ مایوسی کی بجائے سوچ کا عمل جاری ہے۔ نہر میں سورج
 کا عکس۔ صابر اس کی جانب چند عیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ عکس اور صابر
 کے چہرے کے کلوزز۔ سگریٹ سلگا کر پھر چلنے لگتا ہے۔ چال میں خود اعتمادی ایک
 لانگ شاٹ۔ پھر صابر کے چہرے کا کلوز فلیش بیک میں صابر کے کلوز میں سے چہ
 سالہ بچے کا کلوز اُبھرتا ہے۔ پہلے منظر والا کلوز۔

تسلیم پکڑنے کا جال تنا ہوا ہے۔ کلوز۔

بچے کا کلوز۔ مگر چہرے کے آگے جال تنا ہوا۔

شارٹ کیپوزیشن بالکل وہی جس میں صابر فٹ پاتھ پر چل رہا ہے۔ مگر

اب اس زاویے پر ایک بچہ چل رہا ہے۔ بچے کی حرکات سے ظاہر ہے کہ اس کا باپ ہمراہ ہے۔ آپس میں باتیں کر رہے ہیں، بچہ ہر شے کو چھوتا ہے۔ پکڑتا ہے۔ چیزوں کو جلانے کا قدرتی تجسس، کبھی پتے اٹھا کر دیکھتا ہے۔ سفیدے کے بلند درختوں کو نگہ حیرت سے دیکھتا ہے۔ درختوں میں سے سورج چمک رہا ہے۔ بچے کے ہونٹ نہیں ہل رہے مگر گفتگو بیک گراؤنڈ میں جاری ہے۔

بچہ :- ابو یہ دیکھیے۔ یہ پتہ کیسا ہے؟ بالکل میری ہتھیلی جیسا۔ ابو پتے پر بنی لکیریں اس کی قسمت کا حال بتاتی ہیں۔

باپ :- نہیں بیٹے۔۔۔۔۔ یہ صرف یہ بتاتی ہیں کہ پتہ سوکھ گیا ہے۔

بچہ :- ابو کیا میری ہتھیلی کی لکیریں قسمت کا حال بتاتی ہیں۔

باپ :- قسمت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، صابر بیٹے انسان خود اپنی قسمت بناتا ہے۔

بچہ :- وہ کیسے ابو؟

باپ :- محنت اور ارادے سے۔

بچہ :- اگر میں محنت کروں اور میرے پاس خوب بڑا سا راغبارے جتنا ارادہ

ہو تو میں اپنی قسمت خود بنا سکتا ہوں۔

باپ :- ہاں بیٹے۔

بچہ :- پھر میں جو چاہوں کر سکتا ہوں؟

باپ :- تم جو بھی چاہو۔

یہاں پھر وہی شاٹ۔ سورج کا عکس نہریں چمک رہا ہے۔

بچہ :- (عکس کی طرف اشارہ) میں سورج کو بھی پکڑ سکتا ہوں۔

باپ :- (کچھ دیر سوچ کر) ہاں بیٹے اگر تم محنت کرو اور ارادہ کر لو تو تم سورج

کو بھی حاصل کر سکتے ہو۔

فلش مٹ مٹ سکرین پر آتے ہیں۔ پھر بلیک سپیس اس سپیس میں تلیار پکڑنے کا جال نمودار ہوتا ہے۔ ہینڈل پر پتے کا ہاتھ لگا اس مرتبہ سٹل نہیں بند حرکت کرتا ہوا۔ جیسے کوئی شے پکڑنے کی جستجو ہو۔ اس شاٹ پر کار کے ہارن کی آواز اور ہیب ہوتی ہے۔ فلش بیک ختم۔ صابر حسب معمول چل رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مٹرک پر ایک گاڑی چل رہی ہے۔ ہارن بج رہا ہے۔ صابر چونک کر متوجہ ہوتا ہے۔ کمال اس کا دوست کھڑکی میں سے سر نکالتا ہے۔

کمال :- یہ اپنے من میں ڈوب کر سراغِ زندگی پانے کا عمل تھا۔

صابر اس کی آمد سے خوش ہے۔ ہنستا ہے۔

کمال :- واللہ انہماک اسی کو کہتے ہیں اگر جان پہچان نہ ہوتی تو تمہیں صاحب

کشف جان کر پاؤں پکڑ لیتا۔

صابر اس کی گفتگو سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور مسکراتا ہے۔

کمال :- جب کبھی تمہارے گھر جاتا ہوں۔ "صابر" کی آواز پر ہمیشہ جواب آتا ہے۔

"انٹرویو دینے گئے ہوئے ہیں" شاید یہ فقرہ ٹیپ کر دیا رکھا ہے تمہاری عائشہ

بی بی نے۔ آج بھی یہی جواب ملا۔ میں نے سوچا ملاقات کو ایک عرصہ ہو چکا آج

سراغ لگا کر ہی رہوں گا۔ پچھلے دو گھنٹوں سے اپنا قیمتی پٹرول نذرِ آتش کر

رہا ہوں صابر ڈیر۔

(کار کا دروازہ کھولتے ہوئے)

کمال :- چلو کسی کافی بار میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی خیریت نیک مطلب چاہیں۔

بیٹھو۔

صابر کار میں بیٹھتا ہے۔ کار سٹارٹ ہو کر چلی جاتی ہے، کیمرہ نہر میں جھکے ہوئے سورج

کے عکس پر۔

سین نمبر ۵

کافی بار۔ پُرسکون اور غنقرسی جگہ۔ جدید آرائش۔ لمبے کاؤنٹر کے پیچھے مالک کھڑا ہے۔ صرف ایک ریٹر کوئے والی نسبتاً تار یک میز پر ایک لڑکا اور لڑکی جو طالب علم ہیں ان کے علاوہ صرف ایک شخص کاؤنٹر کے ایک سٹول پر بیٹھا کافی پی رہا ہے صابر اور کمال اندر داخل ہوتے ہیں، کمال کاؤنٹر کی طرف جانے لگتا ہے۔

صابر :- (کمال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) نہیں اُدھر نہیں کمال سٹول پر بیٹھ کر میرے پاؤں زمین پر نہیں لگتے۔

کمال :- (ہنس کر) عام حالات میں تمہارے پاؤں زمین پر کب لگتے ہیں، ہمیں تو خلاؤں میں ہی معلق نظر آتے ہو، وہاں اس کوئے میں بیٹھ جائیں۔ صابر اور کمال ایک کوئے میں بیٹھ جاتے ہیں۔

صابر :- (سنجیدگی سے) تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ میرے پاؤں زمین پر نہیں لگتے دھرتی سے میرے رشتے ناطے ٹوٹ چکے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے کمال میں تو زمین پر۔ اسی زمین پر رہنا چاہتا ہوں، لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس زمین کو میرے قدموں تلے سے کھینچ لیتے ہیں، مجھے جان بوجھ کر خلاؤں میں معلق کر دیتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر میرے پاؤں زمین پر ٹپک گئے تو وہ خود ختم ہو جائیں گے۔

ویٹر آتا ہے۔ ہاتھ میں مینو ہے۔

ویٹر :- (جھک کر مینو کمال کے آگے رکھتا ہے) سر؟

کمال :- مینو پر نظر ڈالے بغیر بے دھیانی میں، دو ڈبل لے آؤ، سوڈے کے ساتھ۔

ویٹر :- (حیرت سے) جی صاحب؟

کمال :- (چونک کر) میرا مطلب ہے دو کافی لے آؤ، سینڈویچز کے ساتھ (صابر